کورونا وائرس اور نماز باجماعت و مساجد کے بارے میں
احتیاط کی جائز و ناجائز حدود

اِعلامیۂ علمائے اہلِ حدیث

ازالۂ شبہات اور اہلِ علم کی ذمے داری

بقلم
شیخ الحدیث حافظ ضیاء اللہ برنی روپڑی حفظہ اللہ تعالیٰ
جامعہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔ لاہور



بسم الله الرحمن الرحيم

کرونا وائرس اور نماز باجماعت و مساجد کے بارے میں احتیاط کی جائز اور ناجائز حدود

اعلامیہ علمائے اہلِ حدیث

حصہ اول:

حکومتی اداروں اور مساجد کی انتظامیہ کے لیے

1۔حکومتی اداروں اور مساجد کی انتظامیہ کا فرض ہے کہ پریشانی کے اس ماحول میں:

1- مسلمانوں کا مورال بلند رکھیں، ایمان و یقین اور اللہ پر توکل کا درس دیں۔ ذکر، اذکار اور انفرادی دعاؤں پر زور دیں۔ اور یہ سمجھیں کہ ایسی آزمائشیں ہمارے گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں۔

2- مساجد کی صفائی ستھرائی اور دیگر حفاظتی و احتیاطی تدابیر پر خصوصی توجہ دیں۔
"أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِﷺ بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّورِ وَأَنْ تُنَظَّفَ وَتُطَيَّبَ" (سنن أبي داود: ٤٥٥، صحيح)

''رسول اللہ ﷺ نے محلے میں مسجدیں بنانے، انھیں پاک صاف رکھنے اور خوشبو سے بسانے کا حکم دیا ہے۔''

3- کسی بھی صورت میں اللہ کے بندوں پر اللہ کے گھروں کو بند کرنے کا نہ سوچیں جیسا کہ بعض عرب ممالک میں یہ غلطی سرزد ہو چکی ہے۔ یہ مساجد تو رحمت کے دروازے ہیں اور امیدوں کے مراکز۔ صحابہ کرام اور تابعین وغیرہم کے زمانے میں طاعون اور کثرتِ اموات جیسے مصائب میں ان کا تعامل مساجد سے لگاؤ اور تمسک تھا نہ کہ اُنھیں بند کرنا صحت مند افراد پر مساجد کے دروازے بند کرنا بدترین ظلم ہے جو قطعاً جائز نہیں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِيْ خَرَابِهَا﴾ [البقرة: ١١٤]

''اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کے نام کا ذکر کیے جانے کو منع کرے اور ان کی ویرانی کی کوشش کرے۔''

4- مساجد کو اپنی ملکیت نہیں سمجھیں، یہ خالصتاً اللہ کے گھر ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ [الجن: ١٨]

''اور یہ کہ مسجدیں (خاص) اللہ کی ہیں تو اللہ تعالی کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔''

5- فرض نمازوں اور نماز جمعہ کے علاوہ دیگر اوقات میں مقامی حالات کے مطابق امنِ عامہ اور صحت کے لیے مساجد کو بند کیا جاسکتا ہے اور اس کا جواز موجود ہے، لیکن جبراً مساجد کو کلیتاً بند کروا دینا، اور نمازوں کے اوقات میں نمازیوں کو مساجد میں جانے سے منع کرنا، ناجائز اور حرام ہے۔

حصہ دوم:

عوام الناس کے لیے

1- کورونا وائرس کے کنفرم مریض:

جو لوگ کرونا وائرس کے کنفرم مریض ہیں، ان کے لیے گھر میں نماز ادا کرنا چاہیے۔

1- کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((لَا يُورِدَنَّ مُمْرِضٌ عَلَى مُصِحٍّ)) (صحيح البخاری: ٥٧٧١)

''کوئی شخص اپنے بیمار اونٹوں کو کسی کے صحت مند اونٹوں میں بالکل نہ لے جائے۔''

جب صحت مند اونٹوں کی حفاظت کے پیش نظر بیمار اونٹوں کو ریوڑ میں لانا جائز نہیں تو انسانی جان کی حفاظت اس سے کہیں زیادہ محترم اور مقدّم ہے، اس لیے وبائی مرض سے متاثر افراد نماز باجماعت میں شامل نہ ہوں۔

2- نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے:

''جس نے اس درخت (لہسن) میں سے کھایا ہو، وہ شخص ہمارے پاس ہماری مسجد کے قریب نہ آئے اور لہسن کی بدبو سے ہمیں اذیت نہ پہنچائے۔'' (صحيح مسلم: ٥٦٣۔ ٥٦٥)

اس حدیث کے مطابق لہسن کی بدبو کی وجہ سے مسجد میں آنا منع ہے جب تک منہ سے بدبو ختم نہ ہو۔ اس لیے جو لوگ کورونا وائرس سے متاثر ہو چکے ہیں یا ان میں متاثر ہونے کی علامات پائی جا رہی ہیں، انھیں مساجد میں آنے سے اجتناب کرنا

چاہیے، جب تک کہ ڈاکٹرز انھیں کلیئر نہ کر دیں، کیونکہ وائرس کو پھیلانے کا نقصان بہر صورت لہسن کی بد بو سے کہیں بڑھ کر ہے۔

3- ثقیف کے وفد میں کوڑھ کا ایک مریض بھی تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کو پیغام بھیجا: ہم نے (بالواسطہ) تمھاری بیعت لے لی ہے، اس لیے تم (اپنے گھر) لوٹ جاؤ۔ (صحیح مسلم، کتاب السلام، باب اجتناب المجذوم، حدیث: ۲۲۳۱)

2- کورونا وائرس کے مشتبہ مریض:

ایسے افراد جو کورونا وائرس کی علامات یا سابقہ کسی بیماری کی بنا پر خائف ہوں اور خطرہ محسوس کرتے ہوں کہ باجماعت نماز اور جمعہ میں حاضری سے مجھے نقصان ہو سکتا ہے یا میری وجہ سے کسی اور کو تکلیف ہو سکتی ہے تو ایسے شخص کے لیے مندرجہ ذیل حدیث کی بنا پر باجماعت نماز اور جمعہ میں حاضری سے رخصت ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ)) (سنن ابن ماجه: ٢٣٤١، صحيح)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”نہ نقصان پہنچایا جائے، نہ ہی خود نقصان اٹھایا جائے۔“

3- بچے، بوڑھے اور عمومی مریض:

چھوٹے بچے، معمر وضعیف بزرگ اور دیگر امراض میں مبتلا افراد کے لیے بھی مسجد میں حاضری سے رخصت ہے۔

4- حکومتی ہدایات پر عمل:

حکومت اور بالخصوص محکمہ صحت کی طرف سے جاری کردہ احتیاطی تدابیر پر عمل کرنا انسب ہے۔ لہٰذا حکومتی ہدایات کے مطابق ان دنوں میں عوامی اجتماعات، محافل

اور کانفرنسز سے احتیاط کریں، کیونکہ یہ سب نفلی کام ہیں اور ان کو عارضی طور پر روکنے میں کوئی حرج نہیں۔

ازالۂ شبہات اور اہلِ علم کی ذمے داری

موجودہ حالات میں جبکہ پوری امت مسلمہ کورونا وائرس کی تباہ کاریوں کی وجہ سے شدید مضطرب ہے اور لحہ بہ لحہ بدلتے ہوئے تحقیقی نتائج کے تناظر میں معالجین کا اس وائرس کے بارے میں طبی فہم بھی ناقص ہے، ایسی صورت حال میں اس نوزائیدہ مرض کے متعلق علمائے دین کی آراء کا تقسیم ہو جانا کوئی عجیب بات نہیں اور نہ ہی یہ مضر ہے کہ ایک طبقہ علماء دلائل کی بنیاد پر دوسرے حلقہ علم کو مخطی سمجھتا ہو، کیونکہ اس کی اصل تو خود حدیث مبارک نے بیان کر دی ہے:

"إذا حكم الحاكم فاجتهد ثم أصاب فله أجران، وإذا حكم فاجتهد ثم أخطأ فله أجر"

یعنی جب کوئی فیصلہ کرنے والا پوری محنت سے فیصلہ کرے اور درستی کو پا لے تو اسے دہرا اجر ملتا ہے اور اگر پوری کوشش سے فیصلہ کرنے کے بعد غلطی کا شکار ہو جائے تب بھی اسے ایک اجر ملتا ہے۔

لیکن افسوسناک پہلو ہمارے بعض طلباء اور عوام کا علمائے عرب کو بنیاد بنا کر علمائے عجم کی توہین یا اس کے برعکس عمل کرنا ہے۔ اس قسم کی غیر علمی روش اور متانت سے عاری فتوی زنی یقیناً خطرناک ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

" ورجل قضى للناس علىٰ جهل فهو في النار"

''یعنی جو شخص لوگوں میں جہالت کی بنیاد پر فیصلہ کرتا ہے وہ جہنم میں جائے گا۔''

ان مشکل حالات میں افرادِ ملت پر بالعموم اور علماء پر بالخصوص یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ انتشار و اضطراب کی فضا کو پیدا ہونے سے روکیں اور اُمت کی اُس اعتدال کی طرف راہنمائی کریں جو اس قسم کے امتحانات میں صحابہ کرام کا وصف تھا، یعنی حفاظت کے روحانی اور مادی اسباب کو اُس ترکیب کے ساتھ اختیار کرنا جو رسول اللہ ﷺ نے بتائی، کیونکہ خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ہاشمی۔

گذشتہ دنوں اس امر میں موقر لجنہ علمائے سعودیہ اور موقر طبقہ علمائے اہلِ حدیث کا فقہی اختلاف سامنے آیا جس میں روحانی و مادی اسبابِ تحفظ یا تعبدی و انسانی مصالح کی ترجیحات کا فرق یوں نظر آیا کہ انسانی جان کے تحفظ کے لیے سعودی لجنہ علماء نے مطلقاً اغلاقِ مساجد کا فتوی صادر فرمایا، جبکہ پاکستانی علمائے اہلِ حدیث نے تمام تر حفاظتی تدابیر کو اختیار کرتے ہوئے مساجد اللہ کو آباد رکھنے کا فتوی صادر فرمایا۔

سعودی لجنہ کے نزدیک حفظِ نفس کی مصلحت عمارۃ المساجد اور اقامتِ شعائر اللہ مثل عمرہ و طواف وغیرہ کے مقابلے میں راجح قرار پائی، جبکہ ہمارے اہلِ حدیث علماء کے نزدیک مساجد میں اقامت شعائر اللہ کی مصلحت بایں وجہ راجح رہی کہ ان کے نزدیک وہ حفظِ نفس اور مصیبت سے نجات کا بھی ایک قوی رُوحانی سبب ہے۔ نیت دونوں کی اچھی ہے اور دونوں ہی ان شاء اللہ عند اللہ ماجور ہیں۔ عرب و عجم میں دونوں ہی جگہ اپنے اپنے علماء سے مختلف موقف رکھنے والے علماء بھی موجود ہیں۔ چنانچہ ان علماء کی آراء کا علمی مناقشہ بھی باہمی احترام و اُلفت کو ملحوظ رکھتے ہوئے دونوں اطراف سے جاری رہا، اور یہ سب کچھ اسی جذبہ صادقہ کے تحت تھا جس کے ساتھ علمائے امت مشکل حالات ونوازل میں حکم شرعی کا استنباط کرتے ہوئے مُلک و ملت کی راہنمائی کرتے ہیں، تا کہ دین و دُنیا کی فلاح حاصل ہو سکے۔ فتنہ کی بُو البتہ تب پھیلی جب بعض عاقبت نااندیش مولوی حضرات نے سوشل میڈیا کے ذریعے اسے

عرب علماء کی برتری یا بالفاظ دیگر علمائے اہلِ حدیث کی غیر معتدل رائے کا مسئلہ بنانے کی کوشش کی۔

البتہ اس دوران میں کچھ اہلِ علم کی طرف سے اعلامیے پر ایسے اعتراضات بھی نظر آئے جو علمی اسلوب کے حامل یا قابل جواب تھے۔ ذیل میں ہم بفضل اللہ و توفیقہ انہی کی وضاحت پیش کر رہے ہیں۔

پہلا اعتراض:

اعلامیہ علمائے اہلِ حدیث میں اس وبا سے متعلق طبی ماہرین کی آراء کو ملحوظِ خاطر نہیں رکھا گیا۔

جواب:

یہ محض ایک فرضی اور خیالی بات ہے۔ ہم نے یقیناً طبی آراء کو اہمیت دی اور اُن کو ملحوظ خاطر رکھا ہے، لیکن حکم شرعی کے انطباق میں طبی ماہرین کی آراء کُلی نہیں بلکہ جُزوی حیثیت رکھتی ہیں۔ مثلاً کرونا وائرس کی وجہ سے تمام مساجد کو بند کر دینے کا جواز، اس کا فیصلہ کسی ڈاکٹر نے نہیں کرنا، بلکہ ایک مجتہد عالم ہی یہ طے کرے گا۔ ہاں تحقیق المناط وغیرہ میں کرونا وائرس کے بارے میں طبی آراء کا جاننا بھی ضروری ہے، لیکن اس سے کہیں پہلے وبا کی صورت میں بھی اغلاق مساجد کے جواز یا عدم جواز کا کُلی حکم صرف عالم دین ہی جانتا ہے، ڈاکٹر نہیں۔ امام شاطبی کہتے ہیں:

"يثبت الحكم بمدركه الشرعی، لكن يبقى النظر فی تعيين محله"

تو مدرک شرعی یعنی دلیل شرعی ڈاکٹر کا میدان نہیں۔ البتہ تعیین محل میں طبی ماہرین کی آراء ناگزیر ہیں۔ لیکن آخری فیصلہ پھر بھی عالم ہی کرے گا نہ کہ ڈاکٹر۔ یہی

فرق ہے ایک دینی اور مغرب زدہ سوچ میں۔ علمائے اہلِ حدیث کا اعلامیہ اس روح کو بیان کرتا ہے کہ اُمت کی روحانی و شرعی مسائل میں راہنمائی بہرحال علماء ہی کی شان ہے، لیکن فقہ الواقع کی بصیرت کے لیے جدید معلومات سے استفادہ کیا جانا ضروری ہے۔ اس کے برعکس ٹیکنالوجی سے فضول قسم کی مرعوبیت انسان کو شرعی اُمور میں بھی علماء کے بجائے انجینئروں اور ڈاکٹروں پر کلی اعتماد کرنا سکھلاتی ہے اور نتیجتًا قوم کے دین ودُنیا میں بگاڑ آجاتا ہے۔

دوسرا اعتراض:

جو کافی تکرار کے ساتھ دیکھنے میں آیا کہ ﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ... الآية﴾ سے اعلامیہ میں کیوں استدلال کیا گیا؟ کیا مسجدیں بند کرنے کا فتوی دینے والے سب ایسے ہیں؟

جواب:

یہ آیت مبارکہ اپنے مدلول کے اعتبار سے ہر اُس شخص کو شامل ہے جو مساجد کی مطلقاً تالہ بندی اور لوگوں کو کسی معقول شرعی سبب کے بغیر مساجد میں آنے سے روکتا ہے۔ جیسا کہ "العبرة بعموم اللفظ" کا مشہور قاعدہ ہے۔ تو یہاں اظلمیت کا حکم ایک ظاہر اور عام وصف سے متعلق ہے جو منع مساجد اللہ ہے، یعنی "منع ذكر في مساجد الله" یعنی مساجد میں اللہ کے ذکر سے روکنا اور اُن کی ویرانی (خراب) میں ساعی ہونا۔ تو جہاں یہ وصف متحقق ہوگا، یہ حکم بھی موجود ہوگا۔ علامہ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"وهذا عام لكل من اتصف بهذه الصفة"

''یہ ہر اس شخص سے متعلق ہے جو اس صفت وحالت سے متصف ہو۔''

اسی طرح امام طبری رحمہ اللہ اس آیت کے دیگر ممکنہ مصداقات بیان کرنے کے

بعد فرماتے ہیں:

"وإن كان قد دل بعموم قوله: ﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ﴾ ، أن كل مانع مصليا فی مسجد لله، فرضا كانت صلاته فيه أو تطوعا، وكل ساع فی إخرابه فهو من المعتدين الظالمين"

یعنی یہ آیت اپنے عمومی کے اعتبار سے ہر اس شخص کو شامل ہے جو مسجد میں کسی بھی شخص کو نفل یا فرض نماز پڑھنے سے روکتا ہے۔

اور خراب یعنی ویرانی بھی عام ہے، یعنی یہ حسی بھی ہوسکتی ہے اور معنوی بھی۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" الخراب المعنوی منع الذاكرين لاسم الله فيها"

یعنی معنوی ویرانی سے مراد مساجد میں اللہ کا نام لینے والوں کو روکنا ہے۔

یہی معنی دیگر ائمہ تفسیر نے بھی بیان کیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس آیت مبارکہ کی وعید صرف یہود و نصاری یا مشرکین کے لیے ہی خاص نہیں بلکہ مذکورہ وصف والے ہر مسلمان کے لیے بھی یہی حکم ہے جو نہ تو اہلِ اجتہاد میں سے ہے کہ متاوّل ہو اور نہ ہی خطا وغیرہ کا عذر رکھتا ہے۔ اس لیے علمائے عظام کا یہ اسلوب ہے کہ جہاں کہیں کسی مبرر شرعی کے بغیر منع مساجد اللہ کا واقعی یا ممکنہ ارتکاب ہو تو اسی آیت مبارکہ کے ذریعے تذکیر و تنبیہ کرتے ہیں، کیونکہ اس مسئلے پر یہ اصولی آیت ہے، حتی کہ آیت مبارکہ کے ادنی مصداقات کے حاملین پر بھی اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

مثلا دیکھئیے امام قرطبی اسی آیت مبارکہ کی وعید سے کتنے مسائل مستنبطہ کا ذکر کرتے ہیں جو سب کے سب اہلِ اسلام کے لیے ہیں، حالانکہ ان میں سے بعض تاویل مقبول کے ساتھ اجتہادی وُسعت میں بھی داخل ہوسکتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"الرابعة : قال علماؤنا: ولهٰذا قلنا لا يجوز منع المرأة من الحج إذا كانت صرورة، سواء كان لها محرم أو لم يكن، ولا تمنع أيضا من الصلاة في المساجد ما لم يخف عليها الفتنة وكذلك قال النبیﷺ: لا تمنعوا إماء الله مساجد الله ولذلك قلنا: لا يجوز نقض المسجد ولا بيعه ولا تعطيله وإن خربت المحلة، ولا يمنع بناء المساجد إلا أن يقصدوا الشقاق والخلاف ، بأن يبنوا مسجدا إلى جنب مسجد أو قربه ، يريدون بذلك تفريق أهل المسجد الأول وخرابه واختلاف الكلمة، فإن المسجد الثاني ينقض ويمنع من بنيانه، ولذلك قلنا: لا يجوز أن يكون فی المصر جامعان، ولا لمسجد واحد إمامان ، ولا يصلی فی مسجد جماعتان. وسيأتي لهٰذا كله مزيد بيان في سورة "براءة " إن شاء الله تعالیٰ، وفي "النور" حكم المساجد وبنائها بحول الله تعالیٰ. ودلت الآية أيضا على تعظيم أمر الصلاة، وأنها لما كانت أفضل الأعمال وأعظمها أجرا كان منعها أعظم إثما"

بلکہ اس سے بھی ادنی اُمور پر اس آیت کو اہلِ علم نے معرض استدلال میں پیش کیا ہے، مثلاً مسجد میں حاضری سے قبل چٹائی وغیرہ کے ذریعے اپنے لیے جگہ مخصوص کر لینا بظاہر ایک معمولی امر لگتا ہے جس میں عموما نمازی کے شوقِ عبادت اور رغبت الی اللہ کا جذبہ موجود ہوتا ہے، لیکن اس کے بارے میں شیخ محمّد بن ابراہیم بن عَبد اللطِیف آل الشیخ رحمہ اللہ اپنے فتاوی ورسائل میں فرماتے ہیں:

"هذا لا يجوز، لأن المساجد لله سبحانه، والسابق أحق من المتأخر، والسبق والتقدم إلى المسجد يكون بالبدن لا بالفراش والوطاء"

پھر فرماتے ہیں:

"ومتحجر تلك البقعة مانع لتلك العمارة المعنوية المطلوبة شرعاً والمرغوب فيها ، ولا يبعد دخوله تحت قوله سبحانه: ﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِيْ خَرَابِهَا﴾ الآية"

اور اسی طرح کا موقف آیت مبارکہ کی روشنی میں شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ اور دیگر کبار کا بھی ہے۔ اب کیا یہ مولوی حضرات یہاں بھی شور مچانا شروع کر دیں گے کہ دیکھیں جی یہ عرب علماء کفار سے متعلقہ آیتیں مسلمانوں بلکہ نمازیوں پر منطبق کر رہے ہیں؟ لیکن یہ فتاوی عین حکمت اور ان علماء کی تاویل قرآن میں رسوخ کی دلیل ہیں۔

اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ عرب عرب کی رٹ لگانے والے ہمارے برادران علمِ استدلال کے ساتھ ساتھ عرب علماء کے اسلوب سے بھی ناواقف ہیں۔

تیسرا اعتراض:

حدیث: ((لا ضرر ولا ضرار)) کی روشنی میں خود کو اور دوسروں کو نقصان سے بچانا ضروری ہے، جیسا کہ سعودی لجنہ دائمہ نے بھی اس سے استدلال کرتے ہوئے مطلقاً اغلاق مساجد کا فتوی دیا ہے جبکہ آپ اس کی رعایت نہیں کر رہے۔

جواب:

یہ حدیث مبارک ایک قاعدہ عامہ کو بیان کرتی ہے جس کی ہم نے بھرپور رعایت رکھی ہے، لیکن ہمارے نزدیک اس حدیث مبارک سے مطلقاً اغلاق مساجد اور

تعطیلِ جمعہ و جماعت پر استدلال مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر کمزور ہے:

۱۔ ضرر وضرار کی تعیین کے لیے میزان عقلِ مجرد نہیں، بلکہ شریعت ہے۔ علامہ نجم الدین طُوفی حنبلی تو کہتے ہیں کہ حدیث: ((لا ضرر)) سے مستفاد عمومی قاعدے یا مصلحت کو کسی بھی نص معین یا اجماع پر ترجیح دی جائے گی، لیکن یہ تعبیر ادلہ شرعیہ کی رُو سے اور ائمہ اہلِ سُنت کے ہاں درست نہیں ہے۔

علامہ طُوفی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”وهذه الأدلة التسعة عشر أقواها النص والإجماع ، ثم هما إما أن يوافقا رعاية المصلحة أو يخالفاها فإن والفاها فبها ونعمت ولا نزاع إذ قد اتفقت الأدلة الثلاثة على الحكم وهي النص والإجماع و رعاية المصلحة المستفادة من قوله ﷺ: (((لا ضرر ولا ضرار))) وإن خالفاها وجب تقديم رعاية المصلحة عليهما بطريق التخصيص والبيان لهما“

یعنی حدیث لا ضرر ولا ضرار کی عمومی مصلحت کی رعایت گر نص و اجماع کے ذریعے بھی ہوجائے تو بہتر ورنہ نص و اجماع کی تخصیص و بیان کے ذریعے مصلحت کو اُن پر مقدم کیا جائے گا۔

یہ تعبیر درُست نہیں۔ ٹھیک اسی طرح مسئلہ اغلاق المساجد میں ((لا ضرر)) کی مصلحت کو عمارۃ المساجد اور جمعہ و جماعت کے وجوب کی نص پر مطلقاً مقدم کیا جانا ہمارے نزدیک درُست نہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ شریعت کی تمام نصوص، اوامر ہوں یا نواہی، وہ خود مصلحت خالصہ یا راجح پر مشتمل ہیں اور اُن کو کسی خود ساختہ مصلحت سے معطل نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اسے شریعت ہی کے میزان میں تولا جائے گا۔ ورنہ لا ضرر کی مصلحت سے گر مطلقاً مساجد کو ترک کرنے پر استدلال درُست ہوتا تو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ

کا ضرر مسجد میں عدم حضور کے لیے معتبر ٹھہرتا جو نابینا، مسجد سے دور، خادم سے محروم اور درندوں سے خطرے میں گھرے تھے۔ لیکن نبی ﷺ نے فرمایا: ((لا أجد لك رخصة)) اس کے مقابلے میں عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کا ضرر مسجد میں نہ آنے کے لیے شارع کے نزدیک معتبر ٹھہرا، حالانکہ وہ بظاہر ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے ضرر سے کم نظر آتا ہے۔ لہٰذا حدیث: ((لا ضرر)) کی دلیل عام کسی مسئلہ معینہ میں دلیل خاص کے اعتبار کے بعد ہی موثر ہوسکتی ہے، اس سے پہلے نہیں۔ اور مسئلہ اغلاق المساجد میں بھی حدیث ((لا ضرر)) کو عمارۃ المساجد اور جمعہ وجماعت کے وجوبی احکامات کی روشنی میں دیکھا جائے گا، مفرد طور پر نہیں۔ یہ ایک مقدمہ ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ حدیث ((لا ضرر)) سے مقصود اگر کرونا سے تحفظ ہے تو وہ صاحب مرض یا خوف والے کا مسجد سے دور رہ کر بدرجہ اتم حاصل ہوسکتا ہے۔ اس کے لیے تمام مساجد کا بند کرنا کیوں ضروری سمجھا جا رہا ہے۔ کہیں یہ خلط مبحث تو نہیں کہ دلیل ((لا ضرر)) اور مدلول باجماعت نماز سے دور رہنے کی بجائے تمام مساجد کا اغلاق؟

آیندہ نکات میں ان ہی دو مقدمات کی روشنی میں بات ہوگی، تاکہ حق بات واضح ہوجائے باذن اللہ۔

۲۔ مجوزین اغلاق المساجد کا کہنا ہے کہ حدیث لا ضرر کی رعایت کا تقاضا تمام مساجد کو بند کر دینا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ ضرر کا اطلاق شریعت میں تفویتِ مصلحت اور حصولِ مضرت دونوں پر ہوتا ہے۔ گر مسجد میں صحت مند انسانوں کا جانا بھی آپ کے نزدیک امکانی ضرر ہے تو بلادِ اسلامیہ میں تمام مساجد کا اغلاق سب کے نزدیک یقینی ضرر ہے، کیونکہ مسجد سے متعلقہ اقامت شعائر اللہ کی مکمل تعطیل اہلِ اسلام کے دین و دُنیا کی عظیم صلاح بشمول شفا سے محرومی ہے جو ضررِ عظیم ہے۔ واضح رہے کہ مساجد کے اغلاق

مطلق کے قائلین کا حدیث ((لا ضرر ولا ضرار)) سے استدلال صرف خوفِ مرض کی بنا پر مساجد میں مسلمانوں کے عدم حضور پر نہیں بلکہ کرونا زدہ جمیع ممالک کی مساجد کا مکمل اغلاق اور تعطیل جمعہ و نماز باجماعت پر ہے۔ کیونکہ علت ایک ہی ہے حفظ نفس کی۔ لہٰذا 190 اسلامی و غیر اسلامی ممالک جو متاثرہ ہیں ان کی تمام مساجد کو بند کر دینا ان کی تعلیل کا مقتضی ہے۔ یہ گویا جمیع اُمت بن جاتی ہے۔ پس دونوں طرف ضرر موجود ہے۔ ایک طرف تفویت مصلحت کا ضرر یعنی جمیع اُمت میں حرمین و مساجد اللہ میں اقامت شعائر اللہ کی غیر معینہ تعطیل، اور دوسری طرف حصول مفسدت کا ضرر، یعنی انسانی جان کا ممکنہ نقصان۔ اور شریعت کا اصول ہے کہ جب کسی امر میں مصلحت و مفسدت کے تقاضے جمع ہو جائیں تو دونوں کی اپنے اپنے اعتبار سے رعایت کی جائے جو اصل ہے۔ اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر دونوں میں سے راجح کا اعتبار کیا جائے۔ یا برابر ہوں تو دفع مفسدت کو ترجیح دی جائے، کیونکہ یہ اولیٰ ہے۔

علامہ عز بن عبد السلام ﷫ فرماتے ہیں:

"والضابط أنه مهما ظهرت المصلحة الخليّة عن المفاسد يسعى في تحصيلها، ومهما ظهرت المفاسد الخليّة عن المصالح يسعى في درئها، وإن التبس الحال احتطنا للمصالح بتقدير وجودها وفعلناها، وللمفاسد بتقدير وجودها وتركناها"

لہٰذا شریعت کے قواعد کے مطابق اصل یہی ہے کہ مسئلہ اغلاق المساجد میں مصلحت و مفسدت دونوں کی مناسب رعایت کی جائے، نہ کہ ایک کو کلیتاً نظر انداز کر دیا جائے۔ چنانچہ اعلامیہ علمائے اہلِ حدیث میں صرف صحت مند مسلمانوں کو تمام تر حفاظتی تدابیر کے ساتھ مساجد میں آنے کی اجازت دی گئی ہے اور ((لا یوردن

ممرض علی مصح)) کے تحت علاماتِ مرض اور خوف والوں کو منع کیا گیا ہے جس سے الحمد للہ مصلحت بھی حاصل ہو جاتی ہے اور مفسدت سے بچاؤ بھی۔ اس حل کو چھوڑ کر صرف اغلاق المساجد والی صورت کو اختیار کرنا مزاجِ شریعت سے ہم آہنگ نہیں۔

قارئین کرام! مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ اقساط کی تمہیدی و تاصیلی گفتگو کے بعد اب اس بحث کے جوہری حصے کی طرف بڑھا جائے۔ لیکن اس سے پہلے ایک بار پھر محل نزاع کی تنقیح ضروری ہے۔

محلِ نزاع یہ نہیں کہ انتشار وبا کے خوف سے مریضوں یا تندرست مسلمانوں کو مساجد میں نہ آنے اور جمعہ و جماعات میں عدم حاضری کی رُخصت ہے یا نہیں۔ کیونکہ اس رُخصت کو ہم نہ صرف تسلیم بلکہ حکومت و علماء کی طرف سے اس کے اعلام کو بھی ضروری خیال کرتے ہیں۔ خصوصاً ممکنہ مریضوں کے لیے مکمل ممانعت کے قائل ہیں، جیسا کہ اعلامیہ علماء کی سطور بھی اس کے موافق ہیں۔

محلِ نزاع اصل میں یہ ہے کہ کیا وبا سے انسانی جان کو بچانے کے لیے اُمت مسلمہ کی تمام مساجد کی بندش جائز ہے؟

ظاہر ہے کہ مساجد میں نہ آنے کی رُخصت اور حاکم کی طرف سے تمام مساجد کی غیر مشروط بندش دو مختلف چیزیں ہیں۔ ہم پہلے کے قائل ہیں، دوسرے کے نہیں، اور دونوں میں خلط درُست نہیں۔ لیکن مجوزین جو مساجد کی بندش کے قائل ہیں وہ عموما اس فرق کو نہیں سمجھ رہے، جیسا کہ اُن کے بعض دلائل سے واضح ہے۔ وہ رُخصت کے دلائل سے مساجد کی مطلقا بندش ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ سوائے ایک دلیل کے جو معرض استدلال میں پیش کیے جانے کی صلاحیت رکھتی ہے، ذیل میں ان تمام دلائل کا ترتیب وار جائزہ لیں گے۔

1- حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ٹھنڈ والی رات میں اور

بارش کے وقت مؤذن کو یہ جملہ کہنے کا حکم دیتے: "ألا صلوا في الرحال"

وجہ استدلال: جب بارش اور ٹھنڈ کی وجہ سے لوگوں کو مسجد میں نہ آنے کی رُخصت ہے تو بیماری کے انتشار کے وقت میں بدرجہ اولی ہو گی۔

مناقشہ: بارش کی وجہ سے شریعت نے مسجد میں نہ آنے کی رُخصت دی ہے، مسجدیں بند کرنے کی نہیں۔ اسی طرح وبا کے انتشار میں بھی صرف مسجد میں نہ آنے کی رُخصت ہے۔ وضاحت اس کی یہ ہے کہ بارش کی رُخصت استثنائی حکم ہے جو بارش کے باوجود مسجد میں آنے کی عزیمت یعنی اصلی حکم کو ختم نہیں کرتا۔ چہ جائیکہ اس سے مسجدیں بند کرنے کی رُخصت پر استدلال کیا جائے۔ فقہی انداز میں اس کو یوں سمجھئے کہ مجوزین نے یہاں وبا کی رُخصت کو بارش کی رُخصت پر قیاس کیا ہے، کیونکہ اصل و فرع میں خوف علت مشترکہ ہے۔ قطع نظر فقہاء کے اس اختلاف کے کہ رُخصت میں قیاس ہوتا ہے یا نہیں، چونکہ علت معقول و منضبط ہے، ہم رُخصت کا حکم بارش کی مانند وبا کے لیے بطریق اولی ثابت مانتے ہیں۔ بات یہاں تک تو درُست ہے، لیکن ان حضرات سے غلطی یہ ہوئی کہ اس سے آگے بڑھتے ہوئے اُنھوں نے وبا میں مسجد میں نماز پڑھنے کی عزیمت کو ختم کر دیا۔ یہ عزیمت تو اصل مقیس علیہ یعنی بارش کی صورت میں بھی ختم نہیں ہوتی تو فرع میں کیسے ختم کی جا سکتی ہے؟

اسی لیے اہلِ علم نے بارش کی رُخصت والی ان احادیث کو "أعذار التخلف عن صلاة الجماعة" کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے۔ یعنی باجماعت نماز کے چھوڑنے کے عذر۔ مزید تشفی کے لیے امام بخاری کی تبویب دیکھئے:

"هَلْ يُصَلِّي الإِمَامُ بِمَنْ حَضَرَ؟ وَهَلْ يَخْطُبُ يَوْمَ الجُمُعَةِ فِي المَطَرِ؟"

پھر اس کے تحت بخاری رحمہ اللہ عبد اللہ بن الحارث کا یہ اثر لائے ہیں:

"قال: خَطَبَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ فِی یَوْمٍ ذِی رَدْغٍ، فَأَمَرَ الْمُؤَذِّنَ لَمَّا بَلَغَ حَیَّ عَلَى الصَّلَاةِ، قَالَ: قُلْ: "الصَّلَاةُ فِی الرِّحَالِ"، فَنَظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ، فَكَأَنَّهُمْ أَنْكَرُوا، فَقَالَ: كَأَنَّكُمْ أَنْكَرْتُمْ هَذَا، "إِنَّ هَذَا فَعَلَهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّی" يَعْنِی النَّبِیَّ ﷺ، إِنَّهَا عَزْمَةٌ، وَإِنِّی كَرِهْتُ أَنْ أُحْرِجَكُمْ"، وَعَنْ حَمَّادٍ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الحَارِثِ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، نَحْوَهُ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: "كَرِهْتُ أَنْ أُؤَثِّمَكُمْ فَتَجِيئُونَ تَدُوسُونَ الطِّينَ إِلَى رُكَبِكُمْ"

چنانچہ حدیث اپنے مدلول پر بالکل واضح ہے کہ بارش کے باوجود مسجد میں آنا باعثِ عزیمت ہے اور امام ایسے مقتدیوں کی امامت کرنے پر مامور ہے۔

مزید تشریح حافظ ابن حجر کے اس قول سے ہوتی ہے:

"قَوْلِهِ فِيهِ: (فَنَظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ) لَمَّا أَمَرَ الْمُؤَذِّنُ أَنْ يَقُولَ الصَّلَاةَ فِی الرِّحَالِ؛ فَإِنَّهُ دَالٌّ عَلَى أَنَّ بَعْضَهُمْ حَضَرَ وَبَعْضَهُمْ لَمْ يَحْضُرْ، وَمَعَ ذَلِكَ خَطَبَ وَصَلَّى بِمَنْ حَضَرَ) وقد أورد البخارى في الباب: صلاة النبیﷺ وسجوده فی ماء وطين فی رمضان؛ ليبين أن صلاة الجماعة كانت تُقام، وكان الإمام يأخذ بالعزيمة ويصلي بمن حضر، أو ربما قيدت الرخصة بمن بعدت داره عن المسجد"

پس ثابت ہوا کہ بارش میں گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت سے انتشارِ وبا میں مسجدوں کو بند کرنے پر استدلال بالکل ساقط الاعتبار ہے۔ لا ينهض دليلا ولا حجة.

2- اسی سے ملتی جلتی ایک اور دلیل دی جاتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے لہسن اور پیاز

کھانے والوں کو مسجد میں آنے سے منع کیا اور علت یہ بتائی کہ اس سے فرشتوں کو اور انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

مناقشہ: اس دلیل کا حال بھی پہلی سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ سوائے اس کے کہ وہاں بارش میں رُخصت جبکہ یہاں لہسن وغیرہ کھانے والے کے لیے مسجد میں جانے کی ممانعت ہے۔ لیکن یہ ممانعت صرف لہسن کھانے والے ہی کے لیے ہے، سب کے لیے نہیں۔ یہاں انفرادی حالت کا اعتبار ہے نہ کہ اجتماعی۔ حتی کہ شہر کے اکثر لوگ بھی لہسن کھانے میں بے احتیاطی کرنے لگ جائیں تو مسجدوں کو تالہ نہیں لگا دیا جائے گا، بلکہ باقیوں کے لیے مسجد میں اقامتِ جمعہ و جماعت ہوگی۔ اس میں بھی قیاس کی وُہی غلطی دُہرائی گئی ہے۔ منع کی علت اپنے محل سے متجاوز ہے اور اصل یعنی بقائے جمعہ و جماعات کو اس کے ذریعے منسوخ کیا جا رہا ہے۔ یہ قیاس فاسد ہونے کے ساتھ ساتھ نص سے متصادم بھی ہے، یعنی موردِ نص میں اجتہاد کیا جا رہا ہے۔ یہ وُہی سابقہ دلیل والا اسلوب ہے جو شاید قیاس کو کتاب و سُنت کے بالمقابل کوئی مستقل دلیل سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ حالانکہ قیاس کا کُل اعتماد قران کریم یا سنت نبوی کی نص پر ہی ہوتا ہے اور اُس کا دائرہ کار بھی نص تک ہی محدود ہوتا ہے۔

"قواعد الاصول ومعاقد الفصول" از صفی الدین الحنبلي کے حاشیہ میں ہے:

"وينبغی أن نَعلم أن القياس ليس دليلًا مستقلا بذاته، وإنما هو دليل مستند إلى الكتاب أو السنة؛ لأن الحكم قد يثبت بطريق النص أو بطريق الحمل على النص. والحمل على النص هو القياس، ولهٰذا يصلح أن نقول: إن القياس مسلك اجتهاديّ فی حدود نصوص الكتاب أو السنة"

کیا کرونا وائرس اور اُس کے سائیلنٹ کیریئر کا خوف جمعہ و جماعت کی مطلق تعطیل کے لیے شرعی جواز بن سکتا ہے؟؟

3- وہ احادیث جن سے بیماری کے متعدی ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے۔مثلا نبی اکرم ﷺ کا فرمان: ((لا عدوى ولا طيرة، ولا هامة ولا صفر، وفرّ من المجذوم كما تفر من الأسد)) نیز ((لَا يُورِدَنَّ مُمْرِضٌ عَلَى مُصِحٍّ)) اور اسی طرح وفد ثقیف کے مجذوم شخص سے آپ ﷺ کا فرمانا: ((إنا قد بايعناك فارجع))

ان احادیث مبارکہ میں سے زیادہ تر حدیث: ((لا يوردن ممرض على مصح)) سے بعض بیماریوں کے باذن اللہ متعدی ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے، کیونکہ اس میں اس قسم کے امراض کے لیے عموم ہے اور خصوص یا تعدی مرض کے علاوہ دیگر احتمالات جن کی طرف: ((لا تُديموا النَّظرَ إلى المجذومينَ)) جیسی روایات سے اشارہ ملتا ہے، کم ہیں۔

بہرحال یہ بات کہ متعدی مرض والے کا صحت مند سے اختلاط جائز نہیں، اس سے ہمیں اتفاق ہے۔لیکن سوال پھر وہیں ہے کہ یہ تو جزوی مصلحت یا مریض سے متعلق ایک فردی حکم ہے۔ اس کو بغیر حجت شرعی وُسعت دیتے ہوئے صحت مندوں کے میل جول یا اُن کے لیے مساجد کی کُلی بندش پر استدلال کیسے ہوسکتا ہے، جبکہ عمارۃ المساجد پوری امت کے لیے ایک کُلی حکم اور عمومی مصلحت ہے؟؟

بالفاظ دیگر، حدیث: ((لا يوردن ممرض على مصح)) سے جہاں عبارۃ النص کے طریق سے مریض کو صحت مند سے دور رکھنے کا حکم معلوم ہوتا ہے، وہیں اس طریق سے بالتبع یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحت مند افراد کا حکم مریض سے قطعاً جُدا ہے۔یعنی لا یوردن ممرض علی مصح کا مطلب: ((لا يوردن مصح على

مصحح)) قطعاً نہیں ہے۔

اس کے جواب میں عموماً مجوزین اغلاق المساجد یہ کہتے ہیں کہ covid-19 ایک ایسا وائرس ہے جو کُچھ عرصہ تک بغیر علامات ظاہر کیے جسم میں رہتا اور منتقل ہوسکتا ہے۔ اسے incubation period کہتے ہیں جو دو سے چودہ روز تک ہوسکتا ہے۔یعنی وبا کے دوران میں بظاہر صحت مند شخص بھی دوسروں کو مرض منتقل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لہٰذا مریض اور بظاہر تندرُست دونوں کا مسجد میں داخلہ بند کرنے کے لیے تمام مساجد کی بندش ضروری ہے۔

بظاہر یہ حجت کچھ وزن رکھتی ہے لیکن حقیقت میں سابقہ دلائل سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ فقہ الواقع اور فقہ الاحکام کی روشنی میں ادنی تامل ہی اس کے وہن کو واضح کر دے گا۔ کیونکہ اس کی بنیاد ایک احتمال موہوم پر ہے۔ یعنی کسی مُلک میں کرونا کے چند کیسز کے پائے جانے کا مطلب ہے کہ اُس کا ہر باشندہ اس مُہلک مرض کا شکار مان لیا جائے اور پھر زندگی کی ہر نقل وحرکت میں اسی موہوم خوف کے تقاضوں کو ترجیح دی جائے۔ ڈاکٹر جیمز فلپس، جو جارج واشنگٹن یونیورسٹی ہاسپٹل کے ایک شُعبے کا سربراہ ہے، کہتا ہے:

Were so far behind on testing....We need to start treating every person as though they have this. And everyone needs to treat us like we have it, and socially distance ourselves in that manner.

یعنی کرونا کیسز کے ٹیسٹ کرنے کی صلاحیت میں ہم بہت پیچھے ہیں، البتہ ہمارا بچاؤ اسی میں ہے کہ ہم سب ایک دوسرے کو کرونا کا مریض سمجھتے ہوئے برتاؤ کریں اور سماجی دوری اختیار کریں۔

یہ صرف اسی ایک ڈاکٹر کی سوچ نہیں ہے بلکہ اس وقت اقوام عالم کی نفسیات بن چکی ہے۔

اسی تصور مرض، خوف اور احتیاط کی بنیاد پر تمام متاثرہ ممالک میں لاک ڈاؤن اور سوشل ڈسٹینسنگ کی تدابیر اپنی شدید شکل میں اختیار کی گئیں جس کا ایک مظہر مساجد اللہ کا مکمل اغلاق بھی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا کرونا وائرس سے پیدا ہونے والی صورتحال پر ہمارا مجموعی ردعمل بھی اُسی طرز کا ہونا چاہیے جو کُفار کا ہوتا ہے؟

خوف سے انکار نہیں، لیکن ہم تو شریعت مطہرہ کے پابند ہیں۔ کیا ہماری شریعت نے کرونا وائرس کے امکانی ضرر کی نوعیت اور حد کا اعتبار کرتے ہوئے مساجد اور جمعہ و جماعت کی مکمل بندش کی اجازت دی ہے؟

یہ وہ سوال ہے جس کے جواب میں ایک معتدل شرعی موقف کی بنیاد مضمر ہے، اور ضروری ہے کہ اس موقف تک پہنچنے کے لیے اب ہم کرونا وائرس کے امکانی ضرر کا جمیع جہات سے جائزہ لیں۔ کیونکہ اس مسئلے کی بعض شقیں نوازل میں سے ہیں اور ایسے مسائل میں فقہ الواقع کی خصوصی اہمیت ہے۔

علامہ یوسف القرضاوی فقہ الواقع کے بارے میں کہتے ہیں:

”هو الفقه المبنى على دراسة الواقع المعيش، دراسة دقيقة مستوعبة لكل جوانب الموضوع، معتمدة على أصح المعلومات وأدق البيانات والإحصاءات“

لہٰذا حکم شرعی کے بیان سے پہلے میں یہاں کرونا وائرس کے متعلق ایک جامع اور جدید تحقیق آپ کے سامنے رکھنا چاہوں گا۔

دم تحریر سے چند ہی روز قبل 24 مارچ 2020 کو مشہور امریکی جریدے Wall Street Journal کے ایڈیٹوریل میں سٹینفورڈ امریکہ کے دو ماہر

ڈاکٹروں کی ایک تحقیق نشر ہوئی ہے جس میں انھوں نے دُنیا کو کرونا کے غیر حقیقی خوف سے نکلنے کا پیغام دیا ہے۔

واضح رہے کہ سٹینفورڈ کے ڈاکٹروں کی تحقیق میں یہاں صرف اس لیے پیش نہیں کر رہا کہ وہ عالمی سطح کے ماہر ڈاکٹر ہیں، بلکہ اس لیے کہ وہ پیشہ ورانہ محدودیت سے آزاد ہیں۔ اطباء خصوصا ترقی پذیر ممالک سے تعلق رکھنے والوں کی اکثریت تقلیدی ذہن کی حامل ہوتی ہے۔ کرونا وائرس کی صورتحال کو بھی اس قسم کے ڈاکٹر صرف epidemiology کی نظر سے دیکھتے ہیں، یعنی مرض اور اُس کے پھیلنے کی صلاحیت کے بارے میں عملی حقائق سے زیادہ تھیوری اور مفروضات پر اعتماد۔ اور اس ناقص رجحان کا ذکر سٹینفورڈ کے مذکورہ ڈاکٹروں نے بھی کیا ہے، جیسا کہ ان میں سے ایک ڈاکٹر Eran Bendavid میڈیسن کا پروفیسر اور ماہر متعدی امراض ہے، لیکن اُس کا میدان تحقیق مجرد علم طب کی بجائے معاشی، سیاسی اور ماحولیاتی وغیرہ کثیر عوامل کے زیر اثر اجتماعی صحت کا جائزہ لینا ہے۔ یعنی اُسکا تجزیہ وُسعت نظر پر مبنی ہے جو ہمارے موضوع سے قریب تر ہے، کیونکہ ایک عالم دین بھی وُسعت نظری ہی سے کسی مسئلے کی تمام جہات کا جائزہ لینے کے بعد فیصلہ کرتا ہے، جیسا کہ اوپر فقہ الواقع کی تعریف میں ذکر کیا گیا۔

بہر حال ان کی تحقیق کا خُلاصہ یہ ہے کہ کرونا سے بچاؤ کے لیے ضروری سوشل ڈسٹینسنگ ہونی چاہیے، لیکن اس کے پیش نظر مختلف ممالک کے مکمل لاک ڈاؤن اور انسانوں کے روزگار حیات کو بند کرنے کا نقصان کرونا کے حقیقی خوف کے مقابلے میں کئی گُنا بڑا اور بلا جواز ہوسکتا ہے۔ اس نتیجے تک پہنچنے کے لیے اُنھوں نے طبی حقائق کے ساتھ ساتھ کرونا وائرس کے ظہور سے لے کر اب تک کے حقیقی اعداد و شمار (statistics) اور رجحانات (patterns) کو بھی سامنے رکھا، اور یہ ایک دوسری

وجہ ہے اس تحقیق پر ہمارے اطمینان کی۔ کیونکہ شریعت بھی کسی مسئلے میں تحکیم کے لیے ممکنہ توجیہات یا مفروضوں کی بجائے حقائق و واقعات کو ترجیح دیتی ہے۔ پھر اعداد و شمار کی صداقت میں شک نہیں کیا جا سکتا، جبکہ نظریات، خصوصا کرونا جیسے نوزائیدہ مرض کے بارے میں، مختلف ہو سکتے ہیں۔ ایک ماہر کی بات دوسرے کے لیے حجت نہیں ہوسکتی جب تک اس کے ٹھوس اور متفقہ سائنسی شواہد نہ ہوں۔ مثال کے طور پر کرونا وائرس سے متاثرہ افراد کی مشہور شرح اموات دو سے چار فیصد کے درمیان سمجھی جاتی ہے جو WHO نے بیان کی، حالانکہ اعداد و شمار کے دُرست تجزیے کے بعد جدید اوسط شرح ایک فیصد سے بھی کم معلوم ہوئی ہے۔ کیونکہ کثیر بلکہ اکثر ایسے کیسز بھی تھے جو منظر عام پر نہ آنے کی وجہ سے شمار ہی نہیں کیے گئے اور تندرست ہو گئے۔ خصوصا چائنہ نے تو asymptomatic یعنی علامات ظاہر نہ کرنے والے مریضوں کو WHO کی ہدایات کے برعکس مریضوں کے ڈیٹا کا حصہ ہی نہیں بنایا، حالانکہ یہ بھی وائرس کے کیریئر شمار کیے جاتے ہیں۔ تو بہرحال ان تمام لوگوں کا شمار حقیقی شرح اموات (fatality rate) کو ایک فیصد سے بھی نیچے لے آتا ہے۔ یعنی اُن لوگوں کے مرنے کی شرح جو حتما متاثر ہیں۔ باقی ننانوے فیصد سے زائد شفایاب ہو جاتے ہیں، اور دیگر تمام آبادی غیر متاثرہ ہے۔

یہاں ممکن ہے قارئین کے ذہن میں چین اور اٹلی وغیرہ کی مثالیں آئیں جہاں شرح اموات اس اوسط سے زائد بیان کی جاتی ہے۔

تو حقائق کی روشنی میں ان ڈاکٹروں نے خصوصا ان خطوں میں حقیقی شرح اموات کا بھی تجزیہ کیا ہے جو پیش خدمت ہے:

1- چین کا شہر ووہان، جسے اس وبا کا مصدر کہا جاتا ہے، جب یہاں بڑے پیمانے پر وبا پھیلنے کی اطلاعات ملیں تو جنوری کے اردگرد تمام ممالک نے اپنے

شہریوں کو وہاں سے بذریعہ جہاز منتقل کر دیا۔ پھر چودہ دن کے لیے، جو وائیرس کی incubation مدت ہے، انھیں قرنطینہ میں رکھا۔ اس مدت کے بعد جب ان کے ٹیسٹ کیے گئے تو 0.9 فیصد متاثر پائے گئے۔ واضح رہے کہ ووہان کی آبادی تقریبا بیس ملین ہے۔ تو 0.9 فیصد شرح کے اعتبار سے اکتیس جنوری کو ووہان میں متاثرہ افراد کی تعداد تقریبا 178000 ہونی چاہیے تھی، جبکہ متاثرہ کیس جو رپورٹ کیے گئے وہ اس سے تیس گُنا کم تھے۔ اس بنا پر ووہان میں جو حقیقی شرح اموات بنتی ہے وہ مزعومہ شرح اموات سے کم از کم 10 گُنا کم ہے۔
مزید دیکھیے:

2- اٹلی کا 3300 آبادی والا شمال مشرقی شہر ﷺ۔ مارچ کے اوائل میں اس کے تمام باشندوں کا ٹیسٹ کیا گیا تو 2.7 فیصد شرح کے اعتبار سے 90 افراد متاثر نکلے۔ اس شرح کا اطلاق اگر 955000 افراد پر مشتمل کُل صوبے کی آبادی پر کیا جائے تو اُس وقت 2600 متاثرہ افراد ہونے چاہیے تھے جو اصل رپورٹ کیے گئے کیسز کے مقابلے میں ایک سوتیس گُنا بڑا عدد ہے۔ یعنی اس سے بدرجہا کم کیسز کو دیکھ کر اٹلی کی شرح اموات کا اندازہ کیا گیا تھا جو آٹھ فیصد بتایا گیا، جبکہ متاثرہ افراد کی حقیقی شرح اموات صرف 0.06 فیصد بنتی ہے۔ اب آٹھ فیصد اور 0.06 فیصد میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

3- اسی طرح امریکہ میں کرونا کی شرح انتشار کو دیکھتے ہوئے ماہرین نے مارچ تک چھے ملین متاثرہ افراد کی پیشین گوئی کی تھی جبکہ اموات صرف 499 ہوئیں۔ تو اگر تمام متاثرہ افراد کے تناسب اموات کی شرح معلوم کی جائے تو صرف 0.01 فیصد بنتی ہے جو فلو کی شرح اموات 0.1 فیصد کا بھی صرف دسواں حصہ ہے۔

یہ بعض نتائج ہیں طبی حقائق کو ٹھوس عددی و ارضی حقائق کی روشنی میں دیکھنے

کے۔ لائبریری یا آن لائن سبسکرپشن کے ذریعے کوئی صاحب بھی وال اسٹریٹ جرنل کی ویب سائٹ (www.wsj.com) پر اس مضمون کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

واضح رہے کہ کرونا سے پیدا شدہ بیشتر خوف کی غیر فطری نوعیت کا ادراک اُن ماہر ڈاکٹروں کا پیش کردہ ہے جنھوں نے وائرس کی واضح علامات اور خاموش کیریئر جیسی تمام صورتوں کو مدنظر رکھا، پھر بیماری کے طبعی خصائص کو بھی دیکھا اور اسی طرح وقت اور لوگوں کے رُجحانات کو بھی، جیسا کہ کئی اعداد و شمار وائرس کے اوائل دور یا اُس کے نتائج کے ہیں جن دنوں یہ ممالک لاک ڈاؤن نہیں ہوئے تھے۔ چینی شہریوں سے اٹلی و امریکہ کے باشندوں کا عام ملنا جُلنا تھا اور دُنیا نے سوشل ڈسٹینسنگ کو ابھی نہیں اپنایا تھا۔

اسی طرح اس بات کو بھی مدنظر رکھا گیا کہ وائرس کے ماضی کی معلومات سو فیصد مکمل نہیں۔ نہ ہی ان کی روشنی میں اس کے مستقبل کے رجحانات کا سو فیصد درُست اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح وائرس کے سُرعت انتشار اور ویکسین کی عدم موجودگی سے پیدا ہونے والے ایمرجنسی حالات جو اسے دوسرے وائرسوں سے جُدا کرتے ہیں، ضروری سوشل ڈسٹینسنگ اور دیگر احتیاطی تدابیر کی اہمیت جیسے تمام اُمور کو بھی ملحوظ رکھا گیا۔

اب آیئے ہم یہ اور اس طرح کے مزید مستند حقائق کی روشنی میں مسئلہ زیر بحث یعنی کرونا کی وجہ سے مساجد اللہ کے مطلق اغلاق کی شرعی حیثیت کی طرف بڑھتے ہیں۔ بطور مثال پاکستان ہی کو لے لیجیے۔

- کرونا وائرس کے تناظر میں پاکستانی صورت حال، خاموش کیریئر کا خوف اور اغلاقِ مساجد کا شرعی تجزیہ۔
- مقاصدِ شرع کی روشنی میں وبا سے نجات کا احسن حل کیا ہے؟

مملکتِ پاکستان میں بھی باقی دُنیا کی مانند کرونا کے خوف کی ایک غیر حقیقی فضا

موجود ہے۔ خصوصاً مساجد کے حوالے سے یہ کہا جاتا ہے کہ کرونا وائرس کا خاموش کیریئر (یعنی کورونا کا وہ مریض جس میں بظاہر وائرس کی کوئی ابتدائی علامت بھی نہیں) کسی بھی مسجد میں کسی بھی وقت نمودار ہوسکتا اور موت کا باعث بن سکتا ہے، لہٰذا مساجد بند رکھی جائیں۔ اس میں حقیقت کتنی ہے اور سنسنی کتنی، اس کو جاننے کے لیے ہم امکانیات (Probability) کے چند سادہ سے اصولوں کی مدد لیں گے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ درج ذیل امکانات کا اسی منطقی ترتیب سے جائزہ لیں اور دیکھیں کہ کس طرح ہر اگلے درجے میں مساجد سے منسوب موت کا یہ امکان قلیل سے قلیل تر ہوتے ہوئے محض ایک وہم تک محدود ہو گیا ہے۔

1- پاکستانی آبادی کی کرونا وائرس سے متاثر ہونے کی امکانی شرح کیا ہے؟

واضح رہے کہ کرونا کے مبینہ مرکز ووہان میں شدتِ وبا کے دور میں بغیر کسی حفاظتی تدبیر کے انفیکشن کی شرح 0.9 فیصد یعنی تقریباً ایک فیصد تھی۔ پاکستان میں ابتدائی دور ہی میں لاک ڈاؤن کیا گیا۔ سوائے ایران سے مسلسل آنے والے باشندوں کے جو معتبر سرکاری ذرائع کے مطابق مُلک میں ستر فیصد انفیکشن کا باعث ہیں۔ بہرحال یہ شرح انفیکشن منطقی طور پر پاکستان میں ووہان کی 0.9 فیصد سے کہیں کم ہونی چاہیے۔ دی نیوز کے مطابق مُلک بھر میں کُل متاثرہ افراد 12000 ہیں، لیکن ہم اسے نظر انداز کریں گے، کیونکہ بیس کروڑ کی آبادی کے اعتبار سے یہ شرح کالمعدوم ہے اور مستقبل کے بڑھتے ہوئے رُجحان کی بھی فی الحال نمایندہ نہیں۔

2- پھر اس ممکنہ متاثرہ شرح آبادی میں سے اُن لوگوں کی امکانی شرح کیا ہے جو asymptomatic (خاموش کیریئر) ہیں؟

Asymptomatic سے ہماری مُراد وہ مریض ہیں جو بظاہر صحت مند ہیں اور مرض کی کوئی ابتدائی علامت بھی نہیں رکھتے۔ W H O کے مطابق

asymptomatic مریضوں کی شرح صرف ایک سے تین فیصد ہے۔ جبکہ چین اور جاپان کی تحقیق کے مطابق یہ 3 سے 17 فیصد تک ہے۔

-3 پھر اِن بظاہر صحت مند (asymptomatic) افراد میں سے کسی کے مسجد میں آنے کی امکانی شرح کیا ہے؟

کیونکہ اعلامیہ کی رُو سے اُن ہی کے جواز کا ذکر ہے، مریضوں کا نہیں۔ لیکن یہ شرح جاننے سے قبل یہ بھی ملحوظ رکھا جائے کہ پاکستان میں ایک اندازے کے مطابق مساجد کا رُخ کرنے والے کُل آبادی کا صرف بیس فیصد ہیں۔ ان بیس فیصد میں سے بھی ممکنہ اور حتمی مریضوں، بوڑھوں، بچوں، کرونا مریض کے تیمارداروں وغیرہ کو نکال دیا جائے، جیسا کہ میڈیکل بورڈ کی ہدایت ہے اور جس کی موافقت اعلامیہ کے علماء نے بھی کی ہے، تو بہ مشکل دس فیصد بچتے ہیں۔

-4 پھر ان بظاہر صحت مند افراد (asymptomatic) میں سے جو مسجد میں آئیں، تمام تر حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کے باوجود وائرس (باذن اللہ تعالی) دوسروں کو منتقل ہونے کی شرح کیا ہے؟

اور اس شرح سے پہلے یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ شرح اموات کی طرح وائرس کی منتقلی کے بارے بھی غیر حقیقی اعداد پیش کیے جاتے ہیں۔ چین کی ابتدائی غیر قابو شدہ صورت حال میں بھی اوسطاً ایک مریض سے ۔ لوگوں کو وائرس منتقل ہونے کا اندازہ کیا گیا۔ جبکہ لاک ڈاؤن وغیرہ کی صورت حال میں ماہرین کے نزدیک یہ شرح یقیناً اس سے کم ہوگی۔ بلکہ عام فلُو کی منتقلی کی شرح ۔ کے قریب ہے۔

-5 اس بات کی کیا امکانی شرح ہے کہ وائرس منتقلی کی صورت میں اُسے قبول کرنے والا (host) کمزور قوتِ مدافعت کی وجہ سے مرض کا شکار بھی ہوگا؟

اور

-6 پھر جو ان میں سے حتمی مریض بن جائیں، اُن میں سے موت کا شکار ہونے والوں کی امکانی شرح کیا ہے؟

اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ شرح محقق ترین اندازے کے مطابق ایک فیصد یا اُس سے بھی کم ہے۔

یہ بات حتمی ہے کہ مساجد میں کرونا کی وجہ سے اموات کا امکان مندرجہ بالا تمام امکانات کے منطقی اور ریاضیاتی تجزیے کا نتیجہ ہی ہو گا۔ اس کے علاوہ جو کُچھ ہے وہ صرف وہم، جذباتیت یا عالمی میڈیا کے پھیلائے ہوئے خوف کا اثر ہے۔ اور مندرجہ بالا تمام امکانات و شروحات کے عمومی جائزے سے بہ آسانی معلوم ہوتا ہے کہ صحت مند افراد کے مساجد جانے کے اور کرونا وائرس کی بنا پر ہلاک ہونے کا امکان یا خوف کالمعدوم ہے۔ یہ تو عام زندگی میں بھی اثر انداز نہیں ہوتا چہ جائیکہ شرعی احکام میں۔ دفتر جاتے ہوئے ٹریفک حادثے میں، کوئی ناقص غذا کھانے سے یا کھیل تماشوں کے دوران میں ہلاک ہوجانے کی امکانی شروحات اس سے زیادہ ہیں، تو کیا یہ تمام اُمور ترک کر دیے گئے ہیں؟

ہمیں یہ معلوم ہے کہ اوپر بیان کیے گئے اُمور اور خوف کی حقیقت کا تجزیہ سو فیصد کامل نہیں، کیونکہ باقاعدہ ریاضیاتی استدلال (statistical inference) کے لیے کئی اور عوامل مثلاً مختلف خطوں اور آبادیوں کے الگ الگ رجحانات، تکنیکی اعتبار سے امکانیاتی پھیلاؤ (Probability distributions) وغیرہ کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ لیکن بنیادی اور فیصلہ کُن اصول وُہی رہیں گے جو ہم نے بیان کر دیے ہیں۔ اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر تمام دیگر عوامل کو مدنظر رکھ کر تفصیلی تجزیہ کیا جائے گا تو وہ بھی ہمارے ہی نتیجے کی مزید تائید کرے گا۔ یہ بات میں اتنے وثوق سے اس لیے کہہ رہا ہوں کہ مُجھے اس قسم کے ریاضیاتی استدلالات کے طریقوں کا اور اُن کے ممکنہ

نتائج کا علم ہے۔ وللہ الحمد.

اس فقہ الواقع کے بعد اب واپس لوٹتے ہیں حکم شرعی کے انطباق کی طرف، تو عرض ہے کہ تین محکم طُرقِ استدلال سے ہمارے موقف کی ترجیح ثابت ہوتی ہے:

1- ہم نے شروع میں ذکر کیا تھا کہ مساجد اللہ کو آباد رکھنے کی مصلحت اور کرونا کے خوف کی وجہ سے تحفظِ نفس کی مصلحت میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔ اعلامیہ علمائے اہلِ حدیث نے پہلی مصلحت کو ترجیح دی اور دوسری کی بھی مناسب رعایت رکھی۔ جبکہ کُچھ محترم علماء نے دوسری مصلحت کو پہلی پر بہرحال مقدم رکھا۔ دونوں نکتہ ہائے نظر کی تائید میں علمائے کرام موجود ہیں۔ البتہ تحقیق سے ثابت ہوا کہ کرونا کی وجہ سے مساجد میں موت کا امکان موہوم یا نادر الوقوع ہے۔ اس لیے اس سے جُڑی ہوئی حفظِ نفس کی مصلحت بھی موہوم ہے، محقق ہے نہ مظنون۔ محقق سے مُراد یقینی اور مظنون سے مُراد ظن غالب کے درجے میں ہونا ہے۔ شریعت نے محقق یا مظنون مصالح و مفاسد کا ہی اعتبار کیا ہے، موہوم کا نہیں۔ جبکہ جان بچانے کے لیے مسجدیں بند کر دو ایک خالص وہمی مصلحت ہے، جیسا کہ ابھی ثابت کیا گیا۔ اس کے بالمقابل عمارۃ المساجد ایک محقق و یقینی مصلحت ہے۔ تو کیا ایک وہمی و اجتہادی مصلحت کے حصول کے لیے حتمی و شرعی مصلحت کو ترک کر دیا جائے گا؟ شریعت اس قسم کے اوہام کا اعتبار کرنے کے بجائے توکل کا درس دیتی ہے، کیونکہ اوہام پر زیادہ اعتماد بدشگونی کی قبیل سے ہے اور بدشگونی شرک ہے۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "وما منا إلا ولكن الله يذهبه بالتوكل" کہ اس قسم کی بدشگونی ہم میں سے ہر ایک کو لاحق ہوتی ہے، لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ توکل کے سبب اُسے دور کر دیتے ہیں۔

(الصحیحہ: 429)

-2 پھر یہ حدیث نبوی کی بھی صریح خلاف ورزی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((لا یوردن ممرض علی مصح)) مُمرض کا مصداق حقیقی مریض ہے جو مصح کے مقابلے میں وارد ہوا ہے۔ خواہ اُس کا مرض ظاہر ہو یا خورد بینی تجزیے (microscopic analysis) کے ذریعے معلوم ہو۔ جبکہ یہاں ہوسکتا ہے کہ مریض ہو کے مفروضے کو لے کر مسلمانوں کو اچھوت بنا دیا گیا اور اُن پر مساجد کے دروازے بند کر دیے گئے۔ سوال یہ ہے کہ آخر کس شرعی دلیل کی بنا پر ہر تندرُست (asymptomatic) انسان کو مریض فرض کر لیا گیا؟ اور اُس پر سو فیصد متعدی مرض والے احکام لاگو کر دیے گئے؟ کیا اس حدیث کا اطلاق فرضی مریضوں پر ہوتا ہے؟ جبکہ صاحبِ جوامع الکلم علیہ الصلاۃ والسلام نے تو مُمرض فرمایا نہ کہ مُمرض موہوم ۔ اور احکام شرعیہ کی بنیاد حقائق پر ہوتی ہے توہمات پر نہیں۔ پھر ہم نے موثوق اعداد پیش کیے کہ بدترین حالات میں بھی چین کی ننانوے فیصد سے زائد آبادی غیر متاثر رہی۔ اور حتی متاثرین میں سے بھی WHO کے مطابق پچانوے فیصد سے زائد تندرُست ہو جاتے ہیں۔ تو ہر مسجد آنے والے کو ننانوے فیصد مصححین کو چھوڑ کر ایک فیصد ممکنہ ممرضین (خاموش کیریئر) پر کیوں قیاس کر لیا گیا؟

پھر علاماتِ مرض سے خالی انسان کا تندرُست ہونا اصل ہے یا مریض ہونا؟ مرض استثناء ہے جس کو ثابت کرنا پڑے گا۔ اُس کے بعد ہی احکامات لاگو ہوں گے، اس پر فقہائے اُمت کا اتفاق ہے۔ جبکہ یہاں فرضی و وہمی مریض پر حدیث: ((لا یورد مُمرض...)) کا اطلاق کیا جا رہا ہے۔ یہ تو بجائے خود حدیث مبارک پر عمل کے نام پر اسکی تعطیل ہے۔ کیونکہ حدیث ممرض و مصح کے فرق پر دلالت کرتی ہے، جبکہ ان کا کہنا ہے کہ یہ امتیاز ممکن ہی نہیں۔ پھر تو حدیث آپ کے نزدیک نا قابلِ احتجاج

ہوئی، لیکن حکم بھی اُسی کا بتا رہے ہیں؟

3- یہ وہ توہم پرستی ہے جس سے حدیث: ((لا عدوی)) نے روکا تھا؟ حدیث مبارک میں ((لا عدوی)) کے ساتھ ہی ((لا طیرۃ)) بھی مذکور ہے۔ جس سے عقیدے کی اصلاح اور عدوی کا وہ توہم پرستانہ تصور زائل کرنا مقصود ہے جو مشرکین کے ہاں موجود تھا۔ برابر ہے کہ ((لا عدوی)) میں "لا" کو نفی وجودِ عدوی مانیں یا نفی وجودِ تاثیرِ عدوی۔ لیکن افسوس کہ مسلمان آج ایک وائرس کی وجہ سے توہم پرستی کا شکار ہوگئے۔ إلا ما شاء الله۔ ہم ضروری سوشل ڈسٹینسنگ اور احتیاطی تدابیر کو اختیار کرنا لازم سمجھتے ہیں، لیکن موت کے واہمے کی بنا پر گھرانے کے صحت مند افراد کا تین تین میٹر دور رہنا، کپڑوں اور تمام گھریلو اشیاء کو مسلسل sanitise کرنا اور اس جیسے بہت سے اُمور کو خبط سمجھتے ہیں جن کی طویل مدت تک پابندی یا تو ممکن نہیں، یا ایک نارمل انسان کو ذہنی مریض بنا دینے کے لیے کافی ہے۔ بلکہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ سے عاری مغربی تہذیب میں تو خوف کی اس نفسیاتی کیفیت کے تحت خودکشیاں ہونے لگی ہیں۔ عوام جراثیم کش ادویات پی کر مرنے کو ترجیح دینے لگے ہیں۔ مسلسل پروپیگنڈا سے پوری دُنیا کے عوام میں یہ غیر فطری نفسیاتی کیفیت پیدا کی جا رہی ہے۔ پاکستانی عوام کی حالت بھی مختلف نہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ پاکستان میں کرونا وائرس سے مرنے والوں کو غسل دینے کے بجائے جلانے کے مشورے دیے جا رہے ہیں۔ جاوید احمد صاحب جو غامدی کے لقب سے معروف ہیں اس طرح کے انتشار کی فضا میں ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں، حالانکہ جہالت کا یہ انتشار وبا کے انتشار سے زیادہ مُہلک ہے۔ اجتماعی شعور کا عالم یہ ہے کہ مریض کا علم ہونے پر میڈیا کی موجودگی میں پولیس چھاپہ مار کارروائی

کرتی ہے جیسے مُجرم دریافت کیا ہو۔ ایک ہسپتال میں ستر سالہ بزرگ کو رسیوں سے باندھ کر مرنے کے لیے تڑپتا ہوا چھوڑ دیا گیا۔ والدین اور اولاد ایک دوسرے کو شک اور خوف کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں۔ کوئی کرونا سے مر جائے تو پلاسٹک بیگ اور تابوت میں بند شُدہ میت سے بھی لواحقین کو کئی میٹر دور رکھا جاتا ہے۔ انھیں جنازہ نہیں پڑھنے دیا جاتا۔ گویا مرنے کے بعد مریض وائرس نہیں تابکاری شعاعوں کا مرکز بن گیا۔ اور اگر جنازہ بھی پڑھیں تو صفوں کی شکل بگاڑ دی جاتی ہے۔ انسانیت تو ختم ہوئی سو ہوئی تھی شعائر اللہ کا بھی مذاق بنا دیا گیا ہے۔ ولا حول ولا قوة الا بالله۔ کیا یہی ہے وہ ((لا عدوی)) کا مفہوم جو نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا تھا؟ یا صرف زبان پر لا عدوی کا ورد ہے اور فعل عدوی کی تصویر!

''حالانکہ جن احادیث سے متعدی امراض کے وجود پر استدلال کیا جاتا ہے، ان میں بھی نبی کریم ﷺ کا مقصود مرض سے بچاؤ سے قبل اللہ پر توکل کی سلامتی ہے۔ مثلاً طاعون زدہ علاقے سے صحت مند شخص کو بھی نکلنے سے روک دیا۔ فرمایا: ((لَا تخرجوا فرارا منه)) یعنی خود کو طاعون سے بچانے کے لیے مت بھاگو۔ اس میں وبا کے انتشار سے بچاؤ سے بھی پہلے توکل علی اللہ کا درس ہے جو ((فراراً منه)) کی قیدِ نبوی سے معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ یہ قید بے معنی ہو جائے گی۔ بالفرض اگر آج جدید ذرائع سے حتمی طور پر اس کا طاعون سے آزاد ہونا معلوم ہو جائے تب بھی نکلنا جائز نہ ہوگا، کیونکہ توکل علی اللہ کے منافی ہے۔ یہی حکمت اور توکل کا یہ درس ((فر من المجذوم)) اور ((لا یورد ممرض...)) جیسی احادیث میں بھی موجود ہے، جسے اکثر نے نظر انداز کیا، لیکن اس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔''

مقاصدِ شرع کی رُو سے ترجیح اور بعض کا مادیت کی طرف رُجحان:

قارئین کرام! کورونا وائرس کی موجودہ عالمی صورت حال میں بہت سے دینی و غیر دینی طبقات کی طرف سے مادیت کو روحانی و شرعی اسباب پر فوقیت دینے کا خطرناک رُجحان بھی نظر آیا۔ خصوصاً مقاصدِ شرع پر صرف کتابی دسترس رکھنے والے بعض حضرات اس طرح کی تاویلیں بھی پیش کرتے رہے کہ نماز کی باجماعت ادائیگی تحسینیات میں سے ہے اور حفظِ نفس کا تقاضا ضروریات میں سے۔ لہٰذا مقصدِ ضروری کو تحسینی پر مقدم کرتے ہوئے باجماعت نماز چھوڑ دینی چاہیے۔ اب اس قسم کی درسی مثالوں کا مسئلہ اغلاق المساجد سے اور روحِ شریعت سے کتنا تعلق ہے، یہ آپ کے سامنے ہے۔

کیا یہ سمجھنا مُشکل ہے کہ اس مسئلے کی نوعیت نماز باجماعت یا چند ایک مساجد کی بندش تک محدود نہیں، بلکہ تمام بلاد اسلامیہ یا غیر اسلامیہ میں موجود مساجد کی بندش کو گھیرے ہوئے ہے۔ اعلامیہ نے تو فتوائے عام کے ذریعے ایک اصولی موقف بیان کیا تھا، کیونکہ یہ کسی مخصوص صورت یا سوال پر وارد ہونے والا فتوائے خاص نہیں تھا، لیکن اب عملاً بھی تقریباً تمام مسلمان ممالک نے اغلاق المساجد کا فیصلہ صادر کردیا ہے، جو اس مسئلے کی جزوی کے بجائے آفاقی نوعیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پس جب ایسی صورت حال ہو کہ کسی شعیرہ اسلام کے کُلی ترک پر اُمت میں اتفاق کی راہ ہموار کی جارہی ہو، تو یہ معمولی واقعہ نہیں جسے معمولی درجے کی اجتہادی تاویلوں کی بنا پر قبول کرلیا جائے۔ نہ اس کی نظیر خیر القرون یا اُس کے بعد کے ادوار میں ملتی ہے۔

پھر یہاں تو ایک نہیں، کئی شعائر کا انہدام نظر آرہا ہے۔ مساجد کی طرف چل کر جانا، اُٹھنے والوں کے قدموں کے درجات، مساجد میں تلاوت کتاب اللہ، مساجد میں حلقات علم اور جمعہ و جماعت کا قیام، مساجد میں وقت گزارنے کی عظمت، اسی طرح حرمین سے متعلقہ فضائل اور عمرہ وطواف وغیرہ کثیر ایسے شعائر جن میں سے ہر

ایک کے الگ الگ فضیلت اور برکات خود رسالت مآب ﷺ نے بیان فرمائیں۔ یقیناً ان کو مطلقاً ترک کرنا دین کے ایک عظیم حصے سے محرومی ہے۔ اور اس کو ترک کرنے کے لیے اس کے بالمقابل حفظِ نفس کی کم از کم اتنی ہی وزنی مصلحت شرعی کا ہونا تو ضروری ہے۔ ورنہ یہ مبادیاتِ دین میں تحکم شخصی اور الحاد کا دروازہ کھولنے پر منتج ہوسکتا ہے۔ اور مُفتی کے لیے مقاصدِ شرع کے ساتھ ساتھ فرد واجتماع کے پہلو سے اپنے فتوی کے مآل کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔

- کسی بھی مسئلہ معینہ میں ضروریات، حاجیات اور کمالیات کی جانبِ وجود و جانبِ عدم سے رعایت صرف دو چیزوں میں منحصر ہے؛ مصالح و مفاسد کا موازنہ، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے:

  "إن الشريعة جاءت بتحصيل المصالح وتكميلها وتعطيل المفاسد وتقليلها، وأنها ترجح خير الخيرين وشر الشرين، وتحصيل أعظم المصلحتين بتفويت أدناهما، وتدفع أعظم المفسدتين باحتمال أدناهما"

اور قیام عدل، بلکہ ''عدل'' تو خود مادہ ''قصد'' کا ایک جوہری معنی ہے۔ اسی سے ''مقصد'' مصدر میمی ہے اور ہم بھی مقاصد شرع کی بات کر رہے ہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ﴾ [لقمان: ١٩]

یعنی افراط وتفریط کے درمیان وسطیت کا نام قصد ہے۔

اور یہ دونوں چیزیں قران وسُنت کے دلائل جزئیہ کی تحکیم کے بغیر ممکن نہیں۔ مصلحت کے نام پر کسی قاعدہ عامہ کو اُٹھا کر نص شرعی یا دلیل جزئی پر حاکم نہیں بنایا جاسکتا، نہ اس سے مصلحت ہی کا حصول ہوتا ہے۔ فقہائے اُمت کا اتفاق ہے کہ ((حيثما وجد النص فثم المصلحة)) دلیل جزئی کی تخصیص، تقیید یا نسخ اسی

طرح کی کسی دلیل مُعارض سے ممکن ہے۔

اسی طرح ضروریات، حاجیات اور تحسینیات کی حدود اور ترجیحی ترتیب جو اصول کی کتابوں میں مذکور ہے، وہ صرف ایک عمومی استنباطی فریم ورک ہے، کوئی شرعی قانون نہیں۔ لہٰذا مسئلہ معینہ میں جب اُس کا اعتبار کیا جائے گا تو دلائلِ جزئیہ ہی سے اُن کا رُتبہ و وزن معلوم ہوگا۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ ایک شخص کی ضرورت دوسرے کی تحسین ہو یا ایک امر کی حاجت دوسرے امر کی ضرورت ہو۔ حقیقی فیصلہ عادلانہ موازنہ ہی کے ذریعے ہوگا۔

اسی طرح جب ہم عمارۃ المساجد کی مصلحت کا عادلانہ موازنہ اس سے معارض حفظِ نفس کی مصلحت سے کرتے ہیں تو پہلی کو دوسری پر کہیں بھاری اور وجوبی پاتے ہیں۔ اس کی چند وجوہات حسب ذیل ہیں:

1- عمارۃ مساجد اللہ والحرمین کی مصلحت محقق ہے، جبکہ حفظ نفس کی موہوم ہے۔ تفصیل گزر چکی ہے۔

۱۔ عمارۃ المساجد کی مصلحت قطعی جبکہ حفظِ نفس کی ظنی ہے۔

۲۔ عمارۃ المساجد کی مصلحت کُلی جبکہ حفظِ نفس کی زیادہ سے زیادہ اغلبی ہے۔

۳۔ عمارۃ المساجد اور اس سے متعلقہ شعائر کا قیام عظیم ترین عبادات میں سے ہے اور مقاصدِ شرع میں سے حفظِ دین بالعموم حفظِ نفس پر مقدم ہے۔ ائمہ کرام مثل غزالی، آمدی، ابن الحاجب، الاسنوی، ابن السبکی، شاطبی، سیوطی وغیرہم رحمہم اللہ سب کا یہی مذہب ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ [الذاريات: ٥٦]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”معرفة رب العالمين غاية المعارف وعبادته أشرف المقاصد والوصول إليه غاية المطالب، بل هذا خلاصة الدعوة النبوية وزبدة الرسالة الإلهية“

5- عمارۃ المساجد ایمان وقلوب کے احیاء کا عظیم ذریعہ ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ البتہ کُچھ حضرات مقاصدِ شرع کو دینی اور دنیوی میں تقسیم کر کے ضروریاتِ خمسہ یعنی دین، نفس، عقل، نسل اور مال کے تحفظ کو دنیاوی مصالح قرار دیتے ہیں۔ اور ان ہی کی بنیاد پر موازنہ و تجزیہ کرنے کا رُجحان رکھتے ہیں، جبکہ روحانی اُمور، ایمانیات اور تزکیہ نفوس کو صرف اُخروی مصالح سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ طریقہ پہلے بھی فلاسفہ و متکلمین کا رہا ہے اور جدید دور میں مغربی مادہ پرستی کے ذریعے پروان چڑھا ہے۔ افسوسناک طور پر یہ رُجحان مسئلہ اغلاق المساجد میں بھی کثیر متدین طبقات میں دیکھنے میں آیا۔ البتہ اس کو رنگ مقاصدِ شرع، زمینی حقائق یا مصلحت وغیرہ کا دے دیا گیا۔ ابن تیمیہ ؒ نے مقاصدِ شرع کی اس سیکولر تقسیم کا شاندار رد کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

”وقوم من الخائضين في أصول الفقه وتعليل الأحكام الشرعية بالأوصاف المناسبة، إذا تكلموا في المناسبة وأن ترتيب الشارع بالأوصاف المناسبة يتضمن تحصيل مصالح العباد ودفع مضارهم۔ ورأوا أن المصلحة نوعان: أخروية، ودنيوية، جعلوا الأخروية ما في سياسة النفس وتهذيب الأخلاق من الحكم، وجعلوا الدنيوية ما تضمن حفظ الدماء والأموال والفروج والعقول والدين الظاهر،

وأعرضوا عما فى العبادات الباطنة والظاهرة من أنواع المعارف بالله، وملائكته وكتبه ورسله وأحوال القلوب وأعمالها، كمحبة الله، وخشيته وإخلاص الدين له، والتوكل عليه، والرجاء لرحمته ودعائه، وغير ذلك من أنواع المصالح في الدنيا والآخرة، وكذلك فيما شرعه الشارع من الوفاء بالعهود وصلة الأرحام، وحقوق المماليك والجيران، وحقوق المسلمين بعضهم على بعض، وغير ذلك من أنواع ما أمر به ونهى عنه: حفظًا للأحوال السنية وتهذيب الأخلاق ويتبين أن هذا جزء من أجزاء ما جاءت به الشريعة من المصالح"

اور مساجد تو نُور کے مراکز ہیں۔ اللہ سبحانہ سورۃ نُور کی آیت نُور کے فوراً بعد ان نُور کے مراکز کا ذکر فرماتے ہیں:

﴿فِيْ بُيُوتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ﴾ [النور: ٣٦ـ ٣٧]

سبحان اللہ! قرآن تو کہتا ہے:

﴿فِيْ بُيُوتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ... الآية﴾

یعنی امرِ ربانی ہے کہ مساجد کو اللہ سبحانہ کے ذکر سے آباد کیا جائے۔ اللہ کی طرف سے انھیں کھولنے اور آباد کرنے کا اذن ہے اور مخلوق کی طرف سے نہ کھولنے کا۔ یہاں لاک ڈاؤن میں بھی کھانے پینے سمیت دس سے زائد شعبہ ہائے حیات

جاری ہیں، لیکن مساجد کو تمام تر احتیاطی تدابیر کے باوجود بند کیا جا رہا ہے۔

80 سے زیادہ بھیڑ زدہ چینل کرونا کی فکر سے آزاد ہیں، لیکن مساجد کے مکمل بند نہ ہونے کا مرثیہ دن رات پڑھتے رہتے ہیں۔ دروازوں سے اور کہیں روزنِ دیوار میں تانک جھانک کر نمازیوں کی تعداد گنتے رہتے ہیں۔

تم وقت سحر روزن دیوار میں دیکھو
لالی سی کہیں صبح کے آثار میں دیکھو
اب جرم ہے ہمسائے کا ہمسائے سے ملنا
یہ تازہ خبر آج کے اخبار میں دیکھو

6- حرمین شریفین اور شعائرِ مسجد کا قیام حفظِ نفس اور مصائب و وبا سے نجات کا بھی عظیم ترین ذریعہ ہے۔ اللہ سبحانہ نے کعبۃ اللہ کے بارے میں فرمایا:

﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ [المائدة: ٩٧]

یعنی اللہ رب العزت نے کعبہ کو انسانوں کی دین و دُنیا کو قائم کرنے کا سبب بنایا ہے۔ تو کیا یہ کرونا وائرس کی وبا اور اس کے نتیجے میں آنے والی جانی و معاشی مصیبت کو دور کرنے کے لیے قوام نہیں بن سکتا؟

مساجد کی طرف اُٹھنے والے قدموں کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((تبشبش اللّٰه له كما يتبشبش أهل الغائب بغائبهم إذا قدم عليهم))

یعنی رب ذو الجلال اتنی محبت سے آنے والے کو نوازتا ہے جیسے کسی دیر بعد لوٹنے والے کا اُس کے اہلِ خانہ استقبال کرتے ہیں۔

تو کیا یہ محبتِ باری تعالیٰ نفسِ انسانی سے عذاب و آلام کو دور کرنے کا سبب ہے یا مزید مصیبتوں سے ہمکنار کرنے کا؟

7- وباؤوں اور آفات کے نزول کے شرعی اسباب بھی جو منصوص ہیں۔ مثلا نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لَمْ تَظْهَرُ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ حَتَّى يُعْلِنُوا بِهَا إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الطَّاعُونُ وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِي أَسْلَافِهِمُ الَّذِينَ مَضَوْا))

یعنی جب اقوام میں فحاشی عام ہوجائے تو اس قسم کی عجیب بیماریاں اور تکالیف اُن میں پھیل جاتی ہیں جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی گئی ہوں ۔

یہ حدیث مبارک ہے جس میں اس قسم کی خوفناک بیماریوں کا سبب بتایا گیا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ یہ سبب اُن تمام اسباب سے زیادہ حتمی و یقینی ہے جو محض عقلی ٹامک ٹوئیوں کے ذریعے معلوم کیے جا رہے ہیں۔

کاش کہ عرب و عجم کے علماء کا کوئی فتوی اس پر بھی آتا کہ کرونا وائرس کے عذاب سے تحفظ ونجات کے لیے گناہ کے مراکز اور مرد و زن کے اختلاط کو ہمیشہ کے لیے بند کیا جائے۔ سُود کے بازاروں کو بند کیا جائے۔ یہ شرعی اسبابِ بلا ہیں۔ کیا دنیوی اسباب شرعی اسباب سے زیادہ قوی ہو سکتے ہیں؟

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ تو کہتے تھے:

"إني لأعصى الله فأعرف ذلك من خلق حماري وخادمي"

یعنی میں اپنے گناہ کا اثر اپنے گدھے اور خادم تک میں دیکھ لیتا ہوں۔

ہمیں پوری دُنیا پر چھا جانے والے عذاب میں بھی یہ اثر نظر کیوں نہیں آ رہا؟ اگر کُچھ نظر آتا ہے تو صرف مغرب کی ویکسین یا اُن ڈاکٹروں کے متضاد بیانات جو اس وائرس کی تشخیص سے لے کر علاج تک اضطراب و ہیجان کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔ قرآن وسنت کی آیات بینات میں عذاب کے نزول و رفع کی حکمتیں اور اسباب نظر

نہیں آتے۔

آج اتوار، 5 اپریل 2020 عیسوی بمطابق 11 شعبان 1441 ہجری کو میں یہ تحریر مکمل کر رہا ہوں جسے وقتاً فوقتاً لکھتے ہوئے مُجھے تقریبا ایک ہفتہ ہو چُکا ہے۔ اس دوران میں میڈیکل سائنس کے نظریات کی کتنی ہی قلابازیاں دیکھ چُکا ہوں۔ کانپر یسی تھیوریز سے قطع نظر کرونا کے علاج کے سلسلے میں بعض ممالک کی یہ تجویز بھی پڑھ چُکا ہوں کہ وبا کو پھیلنے دیا جائے، تاکہ قوتِ مدافعت کا قُدرتی نظام حرکت میں آ جائے، کیونکہ اس کے علاوہ کوئی حل نہیں ہے۔ مادی ترقی کے چیمپیئن بھی دُعا اور آسمانی حل کی باتیں کرنے لگے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کی اکثریت ٹکٹکی باندھے ابھی تک اُن ہی کی طرف دیکھ رہی ہے۔ وہ جو ﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ [الروم: ۷] کا مصداق ہیں۔ اللہ ذو الجلال کی طرف کیوں نہیں دیکھتے؟ اور اُس کی محبوب ترین جگہیں مساجد اللہ کو کیوں چھوڑ بیٹھے ہیں؟ حق ہے کہ عوامی اجتماعات سے دور رہا جائے، دینی اجتماعات کو بھی فی الوقت روکا جائے، لیکن مساجد کے جمعات و جماعات اور دروس قران پر اللہ سکینت اُترتی ہے، اُس کی رحمتوں اور ہمارے درمیان حائل ہونے والے گناہ دور ہوتے ہیں، رزق اور شفا کا حصول ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ مساجد دعوتِ خیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سب سے بڑے مراکز ہیں۔ عوام کی اکثریت جو ہفتے میں ایک دفعہ مسجد جاتی ہے، یہی سے اصلاح وخشیت حاصل کرتی ہے۔ یہ نہ ہوتو دعائیں بھی قبول نہ ہوں۔

موت کا خوف کافر کو مجنون بنا دیتا ہے، اس لیے کہ اُس کے پاس دُنیاوی اسباب، دنیوی قانون اور دُنیاوی زندگی کے سوا کُچھ نہیں ہوتا۔ لیکن مومن کے پاس روحانی اسباب، شرعی قانون اور اُخروی زندگی کی حقیقتیں بھی ہوتی ہیں، اور یہ حقیقتیں مادی حقیقتوں سے زیادہ روشن ہیں، کیونکہ یہ صاحبِ علم وحی کے سینہ مبارک پر اُتاری گئی ہیں۔

اس وقت جبکہ میں یہ آخری سُطور سپردِ قرطاس کر رہا ہوں، میرے سامنے ایک روشن دن ہے۔ لیکن بالفرض اگر میرے حبیب ﷺ کہہ دیں کہ تم جو دیکھ رہے ہو وہ دن نہیں رات کی تاریکی ہے تو میں اُسے رات ہی جانوں گا، کیونکہ میری بینائی میں نقص ہوسکتا ہے، علم وحی میں نہیں۔ یہی میرے ایمان کا تقاضا ہے۔

اور آخر میں یہ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس تحریر کا مقصد صرف منہجِ علمی کی رُو سے حق بیان کرنا ہے۔ اُمید ہے کہ یہ قبولیتِ الٰہی پا کر روز قیامت میرے لیے حجت بن جائے گا۔ کسی کی تنقیص مقصود ہے نہ تصادم وعشوائی جذباتیت کو دلیل فراہم کرنا۔

اگر میری اس تحریر میں کوئی خُوبی ہے تو صرف اللہ سبحانہ وتعالی کی طرف سے، اور اگر کوئی نقص ہے تو سراسر میری علمی کم مائیگی کی وجہ سے۔

والکمال لله وحده. والحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات.